فتاویٰ امن پوری (قسط۱۶۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: حاملہ عورت کے روزہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: سیدنا انس بن مالک کعبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ الصَّوْمَ وَشَطْرَ الصَّلَاةِ، وَعَنِ الْحُبْلٰى وَالْمُرْضِعِ .

''اللہ تعالیٰ نے مسافر کو روزہ اور نماز کا نصف معاف کر دیا ہے، اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی کو بھی۔''

(سنن النّسائي : 2315، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن'' اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۲۰۴۴) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

یاد رہے کہ اس حدیث میں صرف روزہ اور نماز کے وقتی طور پر معاف ہونے کا ذکر ہے، قضا دینی ہے یا نہیں، حدیث کا ظاہر اس بارے میں خاموش ہے، اس لئے فہم صحابہ سے اس کا معنی متعین کیا جائے گا۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حاملہ کے بارے میں پوچھا گیا، جسے اپنے بچے کے نقصان کا خطرہ ہے، فرمایا:

''وہ روزہ چھوڑ دے، اس کے بدلے میں ایک مسکین کو ایک ''مد'' (تقریباً

نصف کلوگرام) گندم دے دے۔''

(السّنن الکبریٰ للبیهقي : 230/4، وسندہٗ صحیحٌ)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حاملہ نے روزے کے بارے میں پوچھا، تو فرمایا:

أَفْطِرِي، وَأَطْعِمِي عَنْ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا وَّلَا تَقْضِي .

''روزہ چھوڑ دیں اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں، قضا نہ دیں۔''

(سنن الدّارقطني :207/1، ح : 2363، وسندہٗ صحیحٌ)

❁ نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیٹی ایک قریشی کے نکاح میں تھیں، وہ حاملہ تھیں، رمضان میں اس نے پیاس محسوس کی، تو آپ نے اسے حکم دیا کہ روزہ چھوڑ دیں، ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

(سنن الدّارقطني :207/1، ح : 2364، وسندہٗ صحیحٌ)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ﴾(البقرة : ١٨٤) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

أُثْبِتَتْ لِلْحُبْلٰى وَالْمُرْضِعِ .

''یہ آیت حاملہ اور دودھ پلانے والی کے لیے ثابت (غیر منسوخ) رکھی گئی ہے۔''

(سنن أبي داود : 2317، وسندہٗ صحیحٌ)

❁ سعید بن جبیر رحمہ اللہ حاملہ اور دودھ پلانے والی جو اپنے بچے کے حوالے سے خائف ہو، کے بارے میں فرماتے ہیں کہ روزہ نہ رکھیں، ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں، چھوڑے ہوئے روزے کی قضائی بھی ان دونوں پر نہیں ہے۔

(مصنّف عبد الرّزاق : 4/216، ح : 7555، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ (تفسیر طبری: ۲۷۵۸، وسندہ حسن) اور عکرمہ رحمہ اللہ (تفسیر طبری: ۲۷۴۸، وسندہ صحیح) کا بھی یہی موقف ہے۔

تنبیہ:

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ حاملہ اور مرضعہ فدیہ کے ساتھ روزے کی قضا بھی دیں گی، اس موَقف پر کوئی دلیل معلوم نہیں ہو سکی۔

الحاصل:

حاملہ اور دودھ پلانے والی دونوں روزہ نہ رکھیں، ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں، ان پر قضا نہیں۔

(سوال): بوڑھے آدمی کے روزے کا کیا حکم ہے؟

(جواب): اس بات پر اجماع ہے کہ بوڑھا آدمی، جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ روزہ نہ رکھے، بلکہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔

(الإجماع لابن المُنذر : 129)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”وہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، وہ ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔“

(صحيح البخاري : 4505)

❁ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ (البقرة : 184) پڑھی اور فرمایا:

''بوڑھا شخص جو روزہ رکھنے کی استطاعت و طاقت نہ رکھتا ہو، روزہ نہ رکھے، بلکہ روزانہ ایک مسکین کو آدھا صاع گندم دے دے۔''

(سنن الدّارقطني : 207/2، ح : 2361، وسندهٗ حسنٌ)

❁ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایک مد (تقریباً آدھا کلو) دے گا۔''

(سنن الدّارقطني : 204/6، ح : 2349، وسندهٗ صحيحٌ)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

''جب آپ رضی اللہ عنہ ایک سال روزہ رکھنے سے عاجز آ گئے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک ٹب میں ثرید تیار کی، تیس مساکین کو خوب سیر کر کے کھلا دی۔''

(أحاديث إسماعيل بن جعفر : 112، سنن الدّارقطني : 2390، واللّفظ لهٗ، صحيحٌ)

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیشہ نرمی کرنی چاہیے، اسلام میں کوئی سختی نہیں ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: کچھ معاملات کلئیر رہنے چاہئیں، ہمارے ہاں ہر ہر معاملے میں افراط وتفریط سے کام لیا جا رہا ہے۔

حتی کہ نرمی اور سختی کے مفاہیم تک کو گڈ مڈ کر دیا گیا ہے اور ہم انہیں مفاہیم کو اصل سمجھ بیٹھے ہیں۔ نرمی یہ ہوتی ہے کہ آپ کسی کو اچھے طریقے سے کہیں۔

عزیزم! آپ شرک سے باز آ جائیں، قبر پرستی سے باز آ جائیں، صحابہ کو گالی دینے سے باز آ جائیں، بدعت اپنے اندر سے ختم کر دیں۔

ہم نے نرمی یہ سمجھ لی ہے کہ

کسی شرک کرنے والے کو مشرک نہ کہا جائے، کسی بدعت کے مرتکب کو یا داعی کو بدعتی نہ کہا جائے، کوئی گمراہی پروموٹ کرنے والے کو گمراہی کا سرغنہ نہ کہا جائے۔

یہ مفہوم کہاں سے آ گیا؟ کیا قرآن نے کفار کو کفار نہیں کہا؟

کیا رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاملات میں سختی نہیں کی؟

کیا محدثین کرام رحمہم اللہ کی کتابیں، اسماء الرجال کی کتابیں، ساری کی ساری بداخلاقی پر مبنی ہیں، یا نرمی کے خلاف ہیں، جن میں کسی کو ناصبی، کسی کو بدعتی، کسی کو قدری، کسی کو خارجی، کسی کو رافضی اور کسی کے تشیع یسیر کے الفاظ بولے گئے ہیں؟

ہرگز نہیں، بلکہ کسی چیز کی اصل حیثیت اور کسی شخص کا حکم بتانا نرمی کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ یہ بجائے خود تشدد ہے کہ آپ کسی گمراہ کو سنی بنانے پر تلے ہوں اور جب اگلا اس کی گمراہی واضح کرے، تو آپ کو قرآن کا مخالف بنانے بیٹھ جائیں۔

نرمی ہے گفتگو میں، دعوت میں، گالی دینے والے کے جواب میں خاموشی اختیار کرنا نرمی ہے، اپنی ذات پر کیچڑ اچھالنے والوں کو معاف کر دینا نرمی ہے، خود کو پتھر مارنے والوں کو دعا دینا نرمی ہے۔

لیکن کسی بدعتی کی بدعت سے حذر کرنے کی بجائے، اسے عین اہل سنت کہنا، کسی غیر اہل حدیث کو اہل حدیث قرار دینا، کسی رافضی کی محبت میں گھلے جانا، کسی ناصبی سے راہ و رسم رکھنا، نرمی نہیں ہے، بلکہ یہ نرمی کا جھوٹا مفہوم ہے، جو سلف صالحین نے نہیں لیا۔

سوال: کیا اہل عرب مذموم ہیں؟

جواب: اسلام بحیثیت قوم کسی کی بھی مذمت نہیں کرتا۔ خواہ وہ عرب ہوں، عجم ہوں، یا اہل یورپ، اسلام میں یہ سب اللہ کے بندے ہیں اور ان میں بڑائی کا معیار تقوی ہے۔

بعض حضرات نے بخاری ومسلم کی ایک روایت کو لے کر یہ استدلال لیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عربوں کی مذمت کی ہے، حدیث کچھ یوں ہے؛

❁ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ .

''عربوں کے لئے ہلاکت ہو، یہ عنقریب فتنوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔''

(صحيح البخاري : 7059، صحيح مسلم : 2880)

اس روایت میں عربوں کی مذمت کا کوئی پہلو نہیں ہے، بلکہ اس میں اہل عرب کے لئے تنبیہ ہے کہ ان میں فتنوں کی یلغار ہو جائے گی۔ اشارہ ان کے باہمی اختلافات کی طرف ہے، جن کی بنا پر وہ کمزور ہو جائیں گے اور اپنی شان وشوکت گنوا بیٹھیں گے۔

مندرجہ ذیل روایت کو پڑھنے سے اس کا مفہوم مزید واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب ان میں فتنے برپا ہوں گے۔''

اوپر والی روایت اور اس روایت میں جیسے بیان ہوا ہے، حالات وواقعات ویسے ہی وقوع پذیر ہوئے، نبی کریم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد فتنوں کا پورا باب کھل گیا، سیدنا عمر سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رحمہم اللہ کی شہادتیں اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں، بعد میں جنگ جمل اور جنگ صفین جیسے واقعات وحوادثات رونما ہوئے وغیرہ۔

اسی مفہوم کی ایک تیسری روایت سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لَأَرٰى مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ .

''میں تمہارے گھروں میں بارش کی طرح فتنوں کو داخل ہوتے دیکھ رہا ہوں۔''

(صحيح البخاري : 1878، صحيح مسلم : 2885)

❀ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يُوشِكُ أَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمُ الْأُمَمُ مِنْ كُلِّ أُفُقٍ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ عَلٰى قَصْعَتِهَا .

''عنقریب لوگ ہر طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑیں گے، جس طرح بھوکے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔''

(مسند الإمام أحمد : 278/5، وسندہٗ حسنٌ)

اس حدیث کو حدیث وھن کہتے ہیں، اس میں بھی عربوں کو خطاب کیا گیا ہے، لیکن پوری امت مراد ہے۔ مقصود انہیں ڈرانا ہے کہ فتنوں کی بھر مار ہو جائے گی، لہٰذا فتنوں کا تدارک کر لیجئے۔

یہ ویسی ہی تنبیہات ہیں، جیسی دیگر خطہ ہائے ارض پر رہنے والی مسلم اقوام کے لئے دی گئی ہیں۔ ان تنبیہات سے ان اقوام کی مذمت مقصود نہیں ہے، بلکہ ان کو متنبہ کرنا مقصود ہے کہ آنے والے فتنوں کا تدارک کر لیجئے۔ ان روایات سے بعض اقوام کی خاص مذمت کشید کرنا روح اسلام کے منافی ہے۔

یہاں ایک اور بات بھی یاد رکھئے کہ برائی اور فسق و فجور جس قوم میں بھی عام ہوگا، وہ قوم ہلاک ہو جائے گی، یہ کسی ایک قوم کے ساتھ خاص نہیں ہے اور جو اقوام ان برائیوں سے بچ جائیں گی، کامیاب و کامران ہوں گی۔

سوال: نماز میں نظر کہاں ہونی چاہیے؟

جواب: نماز میں نظر سجدہ کی جگہ پر ہونی چاہیے، البتہ حالت تشہد میں انگلی کے

اشارے پر ہونی چاہیے۔

❀ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كَانُوا يَقُولُونَ : لَا يُجَاوِزْ بَصَرُهُ مُصَلَّاهُ، فَإِنْ كَانَ قَدِ اسْتَعَادَ النَّظَرَ فَلْيُغْمِضْ .

''صحابہ کرام رحمہم اللہ فرمایا کرتے تھے: کسی کی نظر مقامِ سجدہ سے تجاوز نہ کرے، اگر نظر دوبارہ دوسری طرف جائے، تو آنکھیں بند کر لے۔''

(تعظيم قدر الصّلاة للمَروزي : 143 ، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يَنْظُرَ الرَّجُلُ فِي صَلَاتِهٖ إِلٰى مَوْضِعِ سُجُودِهٖ .

''صحابہ کرام رحمہم اللہ مستحب سمجھتے تھے کہ نمازی اپنی نظر مقام سجدہ پر رکھے۔''

(تعظيم قدر الصّلاة للمَروزي : 145 ، وسندهٗ حسنٌ)

❀ مسلم بن یسار رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ نمازی اپنی نظر کہاں رکھے، تو فرمایا:

مَوْضِعُ السُّجُودِ حَسَنٌ .

''مقام سجدہ بہتر ہے۔''

(الزّهد لعبد اللّٰه بن المبارك :1081 ، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ حافظ ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

اَلنَّظَرُ إِلٰى مَوْضِعِ السُّجُودِ أَسْلَمُ وَأَحْرٰى أَنْ لَا يَلْهُوَ الْمُصَلِّي بِالنَّظَرِ إِلٰى مَا يَشْغَلُهٗ عَنْ صَلَاتِهٖ، وَهٰذَا قَوْلُ عَوَامِّ أَهْلِ الْعِلْمِ .

''مقام سجدہ پر نظر رکھنے میں زیادہ بہتری، سلامتی اور احتیاط ہے۔ نمازی اپنی

نظر ایسی چیز کی طرف مرکوز نہ کرے، جو اسے نماز سے غافل کر دے۔ اکثر اہل علم کا یہی فتویٰ ہے۔''

(الأوسط في السّنن والإجماع والإختلاف : 273/3)

تنبیہ:

بوقت ضرورت نمازی اپنے سامنے دیکھ سکتا ہے۔ جس طرح بوقتِ ضرورت التفات کر سکتا ہے۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُنْتُ أَنْظُرُ إِلٰى عَلَمِهَا، وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ فَأَخَافُ أَنْ تَفْتِنَنِي .

''نماز میں میری نظر اس دھاری دار چادر پر پڑ جاتی ہے، خدشہ رہتا ہے کہ یہ نماز سے مشغول نہ کر دے۔''

(صحيح البخاري : 373، صحيح مسلم : 556)

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَأَخَّرْتُ .

''جب آپ نے مجھے مصلیٰ سے پیچھے ہٹتے دیکھا، اس وقت میں نے جہنم دیکھی تھی، اس کا ایک حصہ دوسرے کو کھائے جا رہا تھا۔''

(صحيح البخاري : 1154، صحيح مسلم :901)

❁ ابو معمر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''ہم نے خباب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر میں قرأت کرتے تھے۔ فرمایا: جی ہاں، پوچھا: آپ کو کیسے پتہ چلتا تھا؟ فرمایا:

بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهٖ .

''نبی کریم ﷺ کی ڈاڑھی مبارک کے ہلنے سے۔''

(صحيح البخاري : 746)

❀ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّهٗ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ فِي الْبَيْتِ شَيْءٌ يَّشْغَلُ الْمُصَلِّيَ .

''کعبۃ اللہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہیے، جو نمازی کو مشغول کر دے۔''

(مسند الحميدي : 565، سنن أبي داود : 2030، سندهٗ صحيحٌ)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

يُمْكِنُ أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَ الْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ فَيُسْتَحَبُّ لِلْإِمَامِ النَّظَرُ إِلٰى مَوْضِعِ السُّجُودِ وَكَذَا لِلْمَأْمُومِ إِلَّا حَيْثُ يَحْتَاجُ إِلٰى مُرَاقَبَةِ إِمَامِهٖ، وَأَمَّا الْمُنْفَرِدُ فَحُكْمُهٗ، حُكْمُ الْإِمَامِ .

''امام اور مقتدی میں فرق یوں کیا جا سکتا ہے کہ دونوں کے لیے مقام سجدہ پر نگاہ رکھنا مستحب ہے، البتہ مقتدی بہ وقت ضرورت امام کو دیکھ سکتا ہے۔ اکیلے نمازی کا وہی حکم ہے، جو امام کا ہے۔''

(فتح الباري : 232/2)

❀ علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمہ اللہ (۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

الْمَنْقُولُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ أَنْ يَكُونَ مُنْتَهٰى بَصَرِهٖ فِي صَلَاتِهٖ إِلٰى مَحَلِّ سُجُودِهٖ .

''ظاہر الروایۃ میں منقول ہے کہ نمازی کی نظر محل سجدہ پر ہونی چاہیے۔''

(فتاویٰ شامی :321/1)

۞ **محمد بن علی بن محمد بن علی حصکفی رحمہ اللہ (۱۰۸۸ھ) کہتے ہیں:**

نَظَرُهٗ إِلٰى مَوْضِعِ سُجُودِهٖ حَالَ قِيَامِهٖ، وَإِلٰى ظَهْرِ قَدَمَيْهِ حَالَ رُكُوعِهٖ وَإِلٰى أَرْنَبَةِ أَنْفِهٖ حَالَ سُجُودِهٖ، وَإِلٰى حِجْرِهٖ حَالَ قُعُودِهٖ، وَإِلٰى مَنْكِبِهِ الْأَيْمَنِ وَالْأَيْسَرِ عِنْدَ التَّسْلِيمَةِ الْأُولٰى وَالثَّانِيَةِ لِتَحْصِيلِ الْخُشُوعِ .

''حصول خشوع کے لیے نمازی اپنی نظر قیام میں مقام سجدہ پر، رکوع میں پاؤں کے درمیان، سجدے میں نکوڑی پر، تشہد میں گود پر اور سلام پھیرتے وقت دائیں بائیں کندھے پر رکھے۔''

(الدُّرّ المختار شرح تنوير الأبصار، ص 66، باب صفة الصّلوة)

اس ''خشوع'' پر کوئی دلیل نہیں، اہل علم نے صدیوں پہلے اس کا رد کر دیا ہے۔

۞ **امام اندلس، حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:**

هٰذَا كُلُّهٗ تَحْدِيدٌ لَّمْ يَثْبُتْ بِهٖ أَثَرٌ وَّلَيْسَ بِوَاجِبٍ فِي النَّظَرِ وَمَنْ نَظَرَ إِلٰى مَوْضِعِ سُجُودِهٖ كَانَ أَسْلَمَ لَهٗ وَأَبْعَدَ مِنَ الْاِشْتِغَالِ بِغَيْرِ صَلَاتِهٖ .

''اس ساری تقسیم کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں، نہ نگاہ رکھنے کے متعلق کوئی وجوب ہے۔ نمازی کا اپنی نظر مقام سجدہ پر رکھنا اس کے لیے سلامتی اور مشغولیت سے بچنا ہے۔''

(التّمهيد لما في المؤطّأ من المَعاني والأسانيد : 393/17)

۞ علامہ العز بن عبد السلام رحمہ اللہ (٦٦٠ھ) لکھتے ہیں:

لَيْسَ هٰذَا قَوْلًا صَحِيحًا، وَّلَا حُجَّةَ لِقَائِلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا سُنَّةٍ، وَّاللّٰهُ أَعْلَمُ .

''یہ قول درست نہیں، کتاب وسنت کے دلائل سے خالی ہے، واللہ اعلم!''

(فتاوى العزّ بن عبد السّلام، ص 68)

فائدہ:

۞ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

عَجَبًا لِّلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ إِذْ دَخَلَ الْكَعْبَةَ حَتّٰى يَرْفَعَ بَصَرَهٗ قِبَلَ السَّقْفِ يَدَعُ ذٰلِكَ إِجْلَالًا لِّلّٰهِ وَإِعْظَامًا، دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَعْبَةَ مَا خَلَفَ بَصَرُهٗ مَوْضِعَ سُجُودِهٖ حَتّٰى خَرَجَ مِنْهَا .

''ایسے مسلمان پر تعجب ہے، جو کعبہ میں داخل ہو کر دورانِ نماز چھت کی طرف نظر رکھتا ہے اور وہ ایسا تعظیم خداوندی میں کرتا ہے، جبکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو کعبہ میں داخل ہوئے، آپ نے دورانِ نماز اپنی نظر سجدے والی جگہ پر رکھی، تا آنکہ نماز سے فارغ ہو گئے۔''

(المستدرك للحاكم :479/1، صحيح ابن خزيمة : 3512)

سند ضعیف ہے۔

زہیر بن محمد مکی سے اہل شام روایت کریں، تو حدیث ''ضعیف'' ہوتی ہے۔ عمرو بن ابو

سلمہ تنیسی بھی شامی ہیں۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ

رِوَايَةُ أَهْلِ الشَّامِ عَنْهُ غَيْرُ مُسْتَقِيمَةٍ .

''ان سے اہل شام کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔''

(تقريب التّهذيب : 2049)

(سوال): تورات کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): ہر کتاب کا نام اس نبی کی زبان میں ہوتا تھا۔ موسی علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب کا نام تورات ہے۔ تورات کا معنی ضیاع اور نور ہے۔ قرآن کریم نیتورات کو فرقان اور ہدی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ بنی اسرائیل پر دو ہی کتابیں نازل ہوئیں، موسی علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب کا نام تورات ہے اور عیسی علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب کا نام انجیل ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ﴾(الأنعام : ١٥٤)

''ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی۔''

❁ علامہ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ (۱۳۹۳ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ التَّوْرَاةُ بِالْإِجْمَاعِ .

''اس سے مراد بالاجماع تورات ہے۔''

(أضواء البيان :45/1)

❁ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَفَّيْنَا عَلٰى آثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَّنُورٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ﴾(المائدة : ٤٦)

''ان کے بعد ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا، جو اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرتے تھے، ہم نے انہیں انجیل عطا کی، جس میں ہدایت اور نور ہے، اپنے سے پہلے والی کتاب تورات کی تصدیق کرتی ہے، اس میں ہدایت اور پرہیز گاروں کے لئے نصیحت ہے۔''

بنی اسرائیل پر دو ہی کتابیں نازل ہوئیں اور دو ہی انبیا پر نازل ہوئیں، تو انجیل چوں کہ عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، سو، لامحالہ تورات سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے۔ پھر تاریخی طور پر بھی تمام یہود ونصاریٰ یہی مانتے ہیں، امت مسلمہ بھی اس پر متفق رہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب کا نام تورات تھا۔

❁ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے پوچھا:

أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوسٰى، أَهٰكَذَا تَجِدُونَ حَدَّ الزَّانِي فِي كِتَابِكُمْ.

''میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی، کیا زانی کی حد آپ کی کتاب میں موجود ہے؟''

(صحیح مسلم : 1700)

(سوال): مصنف عبدالرزاق کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(جواب): مصنف اس کتاب کو کہتے ہیں، جس میں بکثرت آثار صحابہ وتابعین ہوں۔ بہت سارے ائمہ نے ''مصنف'' لکھی ہیں۔ جن میں امام ابو بکر ابن ابی شیبہ اور امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رحمہما اللہ کی ''مصنف'' شامل ہیں۔ امام عبد الرزاق رحمہ اللہ کی مصنف تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور ہر دور متداول رہی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے المعجم المفہرس (ص ۵۰) اور تغلیق التعلیق (۵/ ۴۵۵) میں امام عبدالرزاق تک تین سندیں ذکر کی ہیں۔ تینوں کا مدار امام اسحاق بن ابراہیم دَبری پر ہے۔ اسحاق بالاتفاق صحیح السماع راوی ہے اور روایت کتاب میں صحیح السماع ہونا ضروری ہوتا ہے۔ صحیح السماع کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جو سنا، وہی لکھا۔

اسحاق دَبری سے کتاب میں جہاں تصحیف ہوئی، اس کی تصحیح حافظ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن مفرج رحمہ اللہ نے کر دی، انہوں نے اس پر كِتَابُ إِصْلَاحِ الْحُرُوفِ الَّتِي كَانَ يُصَحِّفُهَا إِسْحَاقُ الدَّبَرِيُّ کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ یہ مصنف عبدالرزاق اور اسحاق دَبری کے صحیح السماع ہونے کی دلیل ہے، کہ جہاں غلطی واقع ہوئی، اس کی تصحیح کر دی گئی اور باقی کو صحیح قرار دے دیا گیا۔ اسحاق دَبری صدوق حسن الحدیث ہیں۔

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صَدُوقٌ، مَا رَأَيْتُ فِيهِ خِلَافًا .

''صدوق ہے، مجھے اس میں اختلاف معلوم نہیں۔''

(سؤالات الحاكم للدّارقطني : 62)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''صدوق'' کہا ہے۔

(سِيَر أعلام النّبلاء : 416/13)

۞ نیز فرماتے ہیں:

قَدِ احْتَجَّ بِالدَّبَرِيِّ أَبُو عَوَانَةَ فِي صَحِيحِهٖ وَغَيْرِهٖ، وَأَكْثَرَ عَنْهُ الطَّبَرَانِيُّ .

''دبری سے امام ابوعوانہ رحمہ اللہ نے اپنی صحیح وغیرہ میں حجت پکڑی ہے اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے دبری سے بکثرت روایت لی ہے۔''

(میزان الاعتدال : 181/1)

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔

(الدّراية : 21/2، المسدّد : 89)

۞ نیز اس کے ترجمہ کے ساتھ ''صح'' لکھا گیا ہے۔

(میزان الاعتدال : 181/1)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس راوی کی توثیق ہی راجح ہے۔

۞ حافظ ابن عدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اِسْتَصْغَرَهٗ عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَحْضَرَهٗ أَبُوهُ عِنْدَهٗ، وَهُوَ صَغِيرٌ جِدًّا فَكَانَ يَقُولُ : قَرَأْنَا عَلٰى عَبْدِ الرَّزَّاقِ أَيْ قَرَأَ غَيْرُهٗ، وَحَضَرَ صَغِيرًا وَحَدَّثَ عَنْهُ بِحَدِيثٍ مُّنْكَرٍ .

''امام عبد الرزاق رحمہ اللہ کی مجلس میں دبری بہت چھوٹے تھے، ان کے والد انہیں امام صاحب کی مجلس میں لے کر جاتے، تب یہ بہت چھوٹے ہوا کرتے تھے۔ اسی لیے دَبری (جب حدیث بیان کرتے، تو) کہا کرتے تھے: ہم نے امام عبد الرزاق پر پڑھا، یعنی دبری کے علاوہ کسی اور نے پڑھا۔ دَبری وہاں

حاضر ہوتے، تب وہ بہت چھوٹے تھے۔ دَبری نے امام صاحب سے ایک منکر روایت بیان کی ہے۔''

(الكامل في ضُعفاء الرِّجال :560/1)

۞ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سَاقَ لَهٗ حَدِيثًا وَّاحِدًا مِّنْ طَرِيقِ ابْنِ أَنْعُمٍ الْإِفْرِيقِيِّ، يُحْتَمَلُ مِثْلُهٗ، فَأَيْنَ الْأَحَادِيثُ الَّتِي ادَّعٰى أَنَّهَا لَهٗ مَنَاكِيرُ، وَالدَّبَرِيُّ صَدُوقٌ مُحْتَجٌّ بِهٖ فِي الصَّحِيحِ، سَمِعَ كُتُبًا، فَأَدَّاهَا كَمَا سَمِعَهَا .

''دَبری نے عبدالرحمٰن بن انعم افریقی کے طریق سے امام عبدالرزاق سے ایک حدیث بیان کی ہے۔ ایسے راوی سے تو حدیث لی جا سکتی ہے۔ تو وہ احادیث کہاں ہیں، جن کے منکر ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے؟ دبری صدوق ہے، (ابو عوانہ کی) صحیح میں اس سے حجت پکڑی گئی ہے۔ اس نے (امام عبدالرزاق کی) کتابوں کا سماع کیا اور جیسے سنیں، ویسے آگے بیان کر دیں۔''

(تاريخ الإسلام : 714/6)

۞ نیز فرماتے ہیں:

سَمِعَ مُصَنَّفَاتِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ سَنَةَ عَشَرَةَ مِنْهُ بِاعْتِنَاءِ وَالِدِهٖ إِبْرَاهِيمَ، وَكَانَ صَحِيحَ السَّمَاعِ .

''اس نے دس سال کی عمر میں اپنے والد ابراہیم کی مدد سے امام عبدالرزاق کی مصنفات کا سماع کیا۔ اسحاق دَبری صحیح السماع تھے۔''

(تاريخ الإسلام : 714/6)

یہاں ایک بات یاد رکھیں کہ اسحاق دبری کے والد ابراہیم بن عباد دَبری ثقہ ہوں یا مجہول، اس سے مصنف عبد الرزاق کی صحت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ کیوں کہ جب خود اسحاق دَبری کا سماع صحیح ہے، تو کسی اور واسطے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

نیز یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ امام عبد الرزاق رحمہ اللہ کی تمام تصانیف اختلاط سے پہلے کی ہیں۔ مصنف بھی اختلاط سے پہلی لکھی جا چکی تھی۔ جو امام رحمہ اللہ پر پڑھی گئی، اور اسے سننے والوں میں ابراہیم دبری بھی موجود تھے۔ دبری نے لکھ کر آگے بیان کر دی۔ یہ کتاب اسی زمانے سے متداول چلی آ رہی ہے۔

۞ حافظ عراقی رحمہ اللہ (۸۰۶ھ) فرماتے ہیں:

كَأَنَّ مَنِ احْتَجَّ بِهِ لَمْ يُبَالِ بِتَغَيُّرِهِ؛ لِكَوْنِهِ إِنَّمَا حَدَّثَهُ مِنْ كُتُبِهِ، لَا مِنْ حِفْظِهِ .

''گویا جس امام نے دَبری سے حجت پکڑی ہے، اس نے امام عبد الرزاق رحمہ اللہ کے حافظہ بگڑنے کا اعتبار نہیں کیا، کیونکہ دبری نے اسے امام عبد الرزاق کی کتابوں سے بیان کیا ہے، نہ کہ حافظہ سے۔''

(شرح التّبصرة والتذكرة : 337/2)

پھر مصنف کی اکثر روایات میں دَبری کی متابعت بھی ہوئی ہے، لہٰذا مصنف امام رحمہ اللہ سے ثابت کتاب ہے۔

دبری کے علاوہ بھی امام عبد الرزاق رحمہ اللہ سے بہت سے شاگردوں نے اس کتاب کے اجزا روایت کیے ہیں۔

بعض اعتراضات کے جوابات:

بعض جوانب سے اعتراضات کئے گئے، حالاں کہ ہم نے عرض کر چکے ہیں کہ جو چیز دور محدثین سے ہی متداول چلی آ رہی ہے، اس پر اعتراض کرنا بھی عجیب بات ہے۔ کتاب میں سب سے اہم عنصر اس کا متداول ہونا ہوتا ہے۔

❀ ایک صاحب کہتے ہیں:

''کیا آپ کو خواب آ گیا کہ امام عبدالرزاق کی کتابیں پہلے لکھی جا چکی تھیں۔''

تو اس پہ عرض ہے کہ ہمیں خواب نہیں آیا، بلکہ ان صاحب نے کبھی کتب کھولنا پسند نہیں فرمائیں۔ یہاں ہم صرف ایک قول نقل کرتے ہیں۔

❀ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَا حَدَّثَ مِنْ كِتَابِهِ فَهُوَ أَصَحُّ .

''جو وہ اپنی کتاب سے بیان کریں، وہ صحیح ترین ہے۔''

(التاريخ الكبير : 130/6)

کتاب سے صحیح ترین کیسے ہو گیا؟ لازم ہے کہ وہ پہلے لکھی جا چکی ہیں، پھر اس پر بھی غور فرمائیں، وہ آخری عمر میں اندھے ہو گئے تھے، اندھا ہونے کے بعد انہوں نے کتاب کیسے لکھ لی؟ تفصیلات میں جانا ضروری نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ ابن مفرج کی کتاب کہاں ہے؟

تو عرض ہے کہ ہمارے پاس موجود نہیں، لیکن سلف کے یہاں دونوں موجود رہی ہیں، مصنف عبدالرزاق والی بھی موجود رہی ہے اور سلف کے یہاں تقابل کا چلن عام تھا، اس پر ہمارا نہیں خیال کہ الگ سے مقالہ لکھنے کی ضرورت ہوگی۔ مصنف عبدالرزاق سے بہت سارے ائمہ نے روایتیں نقل کی ہیں، مثلاً؛ امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ، بلکہ امام بیہقی رحمہ اللہ کے

پاس مصنف عبد الرزاق کا معتبر نسخہ تھا، پھر یہ بھی ہے کہ محدثین نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ اپنی کتابوں میں مصنف عبد الرزاق کو بیان کیا ہوا ہے۔ اہل علم پر یہ بات بھی بہت واضح ہے۔

تیسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ آپ نے امام دارقطنی رحمہ اللہ کا مکمل کلام نقل نہیں کیا!

تو عرض ہے کہ ان کا مکمل کلام ملاحظہ کیجئے:

صَدُوقٌ مَا رَأَيْتُ فِيهِ خِلَافًا إِنَّمَا قِيلَ : لَمْ يَكُنْ مِنْ رِجَالِ هٰذَا الشَّأْنِ، قُلْتُ : وَيُدْخَلُ فِي الصَّحِيحِ؟ قَالَ : أَيْ وَاللّٰهِ .

''سچا تھا، میں نے اس میں اختلاف نہیں دیکھا، البتہ یہ کہا گیا ہے کہ بندہ اس فن کا نہیں تھا، عرض کیا: صحیح میں داخل کر لیا جائے؟ فرمایا: کیوں نہیں، اللہ کی قسم!''

(سؤالات الحاكم : 105)

اس فن کا بندہ نہیں تھا، یہ قِيلَ کے صیغے کے ساتھ لکھا ہے۔ قِيلَ کا صیغہ خود بتاتا ہے کہ دارقطنی رحمہ اللہ اس بات کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے، نیز یہ ان کا کلام نہیں ہے۔ دارقطنی رحمہ اللہ کا اپنا کلام یہی ہے کہ اس کے صدق پر اجماع ہے۔

ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ ابن عدی رحمہ اللہ کی عبارت کا مفہوم کیا ہے؟

امام ابن عدی رحمہ اللہ کی عبارت یوں ہے:

اِسْتَصْغِرَہُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ .

(الكامل في ضُعفاء الرّجال :560/1)

اس کا ترجمہ دو طرح ہو سکتا ہے۔

ا۔ اسے عبد الرزاق کے معاملے میں چھوٹا سمجھا جاتا ہے۔

۲۔ یہ عبدالرزاق کی مجلس میں چھوٹا تھا۔

تو اس عبارت کے اگلے حصے سے دوسرے ترجمے کا درست ہونا معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ آگے وضاحت موجود ہے کہ اس کے والد اسے لے کر آئے تھے امام عبدالرزاق کی مجلس میں۔ اگر پہلے والا ترجمہ درست ہوتا، تو ابن عدی رحمہ اللہ یوں کہتے: عبدالرزاق سے بیان کرنے میں یہ منکر الحدیث ہے، مگر انہوں نے فرمایا: اس نے ایک حدیث منکر بیان کی ہے اور ایک آدھ منکر حدیث تو بڑے بڑے ثقات بیان کر دیتے ہیں۔ پھر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ بندہ حقیر بھی ہو اور اس کی باقی تمام روایات صحیح بھی ہوں؟ دل لگتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

نوٹ:

امام عبدالرزاق کے متعلق عباس عنبری کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے امام رحمہ اللہ کو کذاب کہا۔ (الکامل لابن عدی: ۶/ ۵۳۸) تو یہ قول ثابت نہیں۔ اس قول کے راوی حافظ دولابی ضعیف ہیں۔

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کی توثیق پر ائمہ اہل سنت کا اجماع رہا ہے۔ کسی نے ان کی تضعیف نہیں کی، رہا مسئلہ ان کی تدلیس کا، تو تدلیس بڑے بڑے ائمہ کرتے رہے ہیں اور محدثین کے ہاں محض تدلیس سے کوئی بندہ ضعیف نہیں ہو جاتا۔ یہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

ویسے بھی ہم تو کاندھلوی و تمنا عمادی جیسے منکرین حدیث کے چبائے ہوئے نوالوں کو درخواعتناء نہیں سمجھتے۔

حضرات ان اعتراضات کا حال خود دیکھ لیں اور دینی معاملات میں صرف علما سے رجوع کیا کریں۔

مزید اعتراضات:

ہم نے مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے ایک اصولی نقطہ پیش کیا تھا کہ یہ کتاب ہر دور میں متداول رہی ہے، لیکن بعض حضرات اس بنیادی نکتے کو چھوڑ کر ایسی باتیں کر رہے ہیں، جن سے اصل مصنف پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

دوسرا نکتہ ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ مصنف عبدالرزاق کے تمام روایات کی متابعت موجود ہے۔ یہ دوسرا بنیادی پوائنٹ ہے، جس کو کسی بھی کتاب و راوی کو پرکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، مگر اس طرف بھی التفات نہیں کیا جا رہا۔

تیسرا پوائنٹ ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ امام عبدالرزاق کی کتابیں حافظہ بگڑنے سے پہلے لکھی جا چکی تھیں، تو ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ کیا آپ کو خواب آ گیا؟ ہم نے اس پر ایک حوالہ عرض کیا، تو فرمانے لگے: امام اندھے ہونے سے پہلے ہی سٹھیائے ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل اعتراض تو ختم ہو گیا۔ یہ تو کلیئر ہو گیا کہ امام رحمہ اللہ نے کتابیں اندھا ہونے سے پہلے لکھ لیں تھیں، اس پر صاحب نے نیا اعتراض کیا کہ وہ تو اندھا ہونے سے پہلے سٹھیا گئے تھے۔ پھر اس کی دلیل میں انہوں نے امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ کا یہ کلام نقل کیا کہ عبدالرزاق اور معمر کثیر الخطا ہیں۔

اب ہم یہاں سوال کر سکتے ہیں کہ اس قول میں یہ کہاں لکھا ہے کہ وہ دونوں آخری عمر سے پہلے ہی کثیر الخطا ہو گئے تھے؟ یعنی ایک مطلق بات کو لے کر ایک خاص دلیل بنایا جا رہا ہے؟

حالانکہ آپ خود امام ابو حاتم رحمہ اللہ ہی کا کلام مکمل دیکھ لیں، تو مسئلہ ختم ہو جائے، راوی حدیث ابوسفیان معمری کو امام ابو حاتم رحمہ اللہ ''صالح الحدیث'' کہتے ہیں۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ۷/ ۲۳۱)

✿ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

سَأَلْتُ أَبِي عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ أَحَبُّ إِلَيْكَ أَوْ أَبُو سُفْيَانَ الْمَعْمَرِيُّ؟ فَقَالَ: عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَحَبُّ إِلَيَّ.

''میں نے والد محترم سے پوچھا: کیا عبدالرزاق آپ کے نزدیک زیادہ اچھے ہیں یا ابوسفیان معمری؟ تو جواباً امام رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے نزدیک عبدالرزاق زیادہ اچھے ہیں۔''

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم: 39/6)

ایک صالح الحدیث راوی سے بھی اوپر والا درجہ کس کا ہوسکتا ہے؟ یقیناً ایسے شخص کا نہیں ہوسکتا، جو ہمہ صورت ہی کثیر الخطا ہو، بلکہ صرف خاص معاملے میں ہوتا ہے اور وہ خاص معاملہ صاف ہے، جیسا کے دیگر محدثین نے بھی بیان کیا کہ وہ آخری عمر میں مختلط ہوئے تھے۔

✿ ابن ہانی رحمہ اللہ کہتے ہیں، میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سنا:

''امام عبدالرزاق نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی: اَلنَّارُ جُبَّارٌ اصلا یہ یوں ہے: اَلْبِئْرُ جُبَّارٌ ہم نے ان کی کتابیں ان کے سامنے لکھی ہیں اور انہوں نے امام رحمہ اللہ سے دوسو چھ ہجری میں سنا، جب یہ ان کے پاس گئے، تو امام رحمہ اللہ اندھے ہوگئے تھے، پھر انہوں نے تلقین کی، تو تقلین قبول کرنے لگے۔''

(سؤالات ابن هاني: 2101)

ائمہ یہ بتا رہے ہیں کہ انہوں نے جب کتابیں لکھیں، تو اس وقت بالکل ٹھیک تھے، لیکن مختلط بعد میں ہوئے۔ تو یہ اعتراض بھی ختم ہوا۔ اعتراض کرنے والے صاحب کے

متعلق اتنا تو یقین ہوتا جا رہا ہے کہ مطالعہ نہیں کرتے، بلکہ کہیں سے سرقہ کرتے ہیں۔

پھر موصوف نے تدلیس کو دھوکا اور جانے کیا کچھ باور کروایا ہے، حالاں کہ تدلیس کا معاملہ محدثین کے یہاں بہت واضح ہے اور تدلیس سے جھوٹ کشید کرنا بجائے خود علم حدیث سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ کے کلام کو حضرت نے اس لئے ٹھکرا دیا ہے کہ نقل کرنے والا ایک شیعہ تھا، اب یہ بھی کیسی عجیب بات ہے۔ اول تو امام حاکم رحمہ اللہ شیعہ نہیں، نیز محض تشیع محدثین کے یہاں جرح بھی نہیں ہوتی۔ یہ جرح دور جدید کے چند منکرین حدیث اور نواصب نے اختیار کر لی ہے۔ تشیع میں غلو جرح بنتا تھا، وہ بھی اگر آدمی فی نفسہ سچا ہوتا، تو اس غلو کو بھی معاف کر دیا جاتا تھا۔ مگر یہ سب کچھ اصول محدثین کو کسی استاذ کی مجلس میں پڑھنے سے پتہ چلتا ہے۔

باقی صاحب دولابی کی تضعیف کا انکار کر رہے ہیں، تو اس سلسلے میں مضامین موجود ہیں، وہ دیکھے جا سکتے ہیں۔

پھر ابن عدی رحمہ اللہ کی عبادت کے معاملے میں ہماری بیان کردہ تفصیل کو بیان کئے بغیر صرف اتنا کہہ کر گزر گئے کہ ہمارے نزدیک اس کا معنی یہی ہے، دلیل یہ دی ہے کہ اگر صرف چھوٹا سمجھنا مقصود ہوتا، تو آگے وَهُوَ صَغِيرٌ جِدًّا ہی نہ لکھتے۔ حالاں کہ وَهُوَ صَغِيرٌ جِدًّا لکھنا اور باقی عبارت کا پورا سیاق جو ہماری پچھلی تحریر میں موجود ہے۔ واضح بتا رہا ہے کہ وہ چھوٹی عمر کی طرف ہی اشارہ کر رہے ہیں۔